اسلام معتدل ومتوازن دین

پروفیسر ڈاکٹر شمس البصر ☆

ABSTRACT

The literally meaning of Islam is "Pace and Submission to one God. Islam in itself is the religion of peace, its stresses upon its followers to be peaceful in their actions and dealings, but it does not mean that peace in itself mean that one will never protect himself, if he is subjected to, aggression. It provides the methodology of co-existence in the society. Thus a balanced behavior is the basic requirements of Islam, which can create peaceful atmosphere in the society and can by beneficial for the humanity at large.

قرآن کریم لفظ ''دین'' کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے، قرآن حکیم کی زبان میں دین سے مراد ایسا نظام زندگی ہے جس میں کوئی کسی کے اقتدار کو تسلیم کرے، اس کی فرمانبرداری پر جزا اور نافرمانی پر سزا پائے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم ﷺ تک جتنے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے ان سب نے تمام انسانیت کو دین اسلام کی طرف بلایا۔ یہی دین انسان کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور غیر مرضیات پر مشتمل ہے۔ ان اوامر ونواہی یا مرضیات وغیر ضیات کی تکمیل خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے فرمائی۔ یہی وہ دین ہے جسے انسانوں کے لیے نظام حیات کے طور پر پسند کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دینا'' (۱)

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا''۔

''ان الدین عند الله الاسلام'' (۲)

ترجمہ ''دین تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہی ہے''۔

☆ چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

"ومن یبتغ غیر الا سلام دینا فلن یقبل منہ"(۳)

ترجمہ: ''جواسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا''۔

یہی دین اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی بنیاد پر مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے۔ زندگی کے ہر دائرہ کی تعمیر وتشکیل اس کے پیش نظر ہے۔ یہ زندگی کے تمام پہلوؤں خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، معاشی ہوں یا معاشرتی، سیاسی ہوں یا سماجی تمام کی اصلاح چاہتا ہے اور انسان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں ان پر عمل درآمد کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسلام زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہدایات دے کر جن امور کو متعین کرتا ہے ان کو حدود اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ ید خلہ ناراً خالداً فیھا ولہ عذاب مھین" (۴)

ترجمہ: ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ ایسی آگ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت آمیز عذاب ہوگا''۔

ان حدود و قیود کے اندر انسان کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ حالات و زمانہ کی رعایت رکھتے ہوئے نظام زندگی کو ترقی دے۔ اسی حوالے سے اسلامی ضابطوں میں زندگی کے جملہ امور کو اہمیت حاصل رہتی ہے۔ کھانے پینے سے لے کر آداب معاشرت کے تمام طور طریقے، طہارت و پاکیزگی کے اصول، معیشت و سیاست، دین و دنیا یہ سب اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں، ان سب امور میں اس قدر احتیاط ضرور ہو کہ زندگی متوازن رہے اور ان سب کی انجام دہی میں متوازن روش اختیار کی جاسکے۔ اور کسی بھی سمت میں غلو یا انتہاپسندی (Extremism) نہ آنے پائے، یہی غلو یا دینی امور میں نہایت نقصان دہ اور مضرت رساں ہوسکتی ہے۔ دین اسلام اعتدال کا درس دیتا ہے، اس کی تعلیمات میں افراط وتفریط کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اسلام کے ماننے والوں میں ایسے لوگ ہوسکتے جو دین کے اصل مفہوم کا تعین نہ کرسکنے کی وجہ سے غلو یا حد سے تجاوز کرنے کا شکار ہوں۔

اسلام ایک طرف ہمیں کائنات کی حقیقت اور دوسری طرف انسان کے اصل مقام اور مقاصد حیات سے آگاہ کرتا ہے، اسی سلسلے میں انسانی زندگی گزارنے کے لئے مفصل قانون بھی پیش کرتا ہے تاکہ انسان افراط وتفریط سے بچ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اعتدال اور توازن کی بنیادوں پر استوار کرسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام پوری قوت کے ساتھ زندگی کی روحانی حقیقت کا اظہار کرتا ہے اور مادی وسائل کو اخلاقی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتا ہے۔ وہ نہ تو دوسرے مذاہب کی طرح مادی زندگی

سے صرف نظر کرتا ہے اور نہ ہی دورِ جدید کی مادیت کی طرح مادی پہلو کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر حاوی اور غالب کرتا ہے، وہ انسان میں ایسا جذبہ پیدا کرتا ہے جس سے اس کو احساس ہو کہ کائنات کی ہر چیز اس کے لئے ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

نہ تو زمین کے لئے نہ آسمان کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اسی حوالے سے اس دنیا میں انسان کی دو بنیادی ضرورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) اسے جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کے لئے مادی اور جسمانی وسائل درکار ہیں۔

(۲) اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اسے اخلاقی اور تمدنی اصولوں کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مکمل اہتمام کیا ہے۔ مادی اور جسمانی احتیاجات کی تسکین کے لئے وسائل کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ زمین و آسمان میں ودیعت کر دیا ہے، اخلاقی اور تمدنی رہنمائی کے لئے انبیاء بھیجے جنہوں نے انسان کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ زندگی گزارنے کے اسی طریقہ کا نام اسلام ہے،

انبیائے کرام کی تعلیمات زندگی کے بنیادی مسائل کا حل پیش کرتی ہیں، اسلامی تعلیمات کے حوالے سے انسانی زندگی کے مندرجہ ذیل چار پہلو ہو سکتے ہیں:

(۱) خلافت الٰہیہ: انسان خدا کا تخلیق کردہ اور نائب ہے۔ ارشاد ہوا:

انی جاعل فی الارض خلیفه (۵)

ترجمہ: ''میں زمین میں اپنا نائب بنا کر بھیج رہا ہوں''

اسلام کا دیا ہوا خلافت اور نیابت کا یہ تصور حاکم کو من مانی سے نہ صرف روکتا ہے۔ بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابع بناتا ہے۔

(۲) مقام اشرفیت: یہ کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"و لقد کرمنا بنی آدم" (٦)

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو مکرم بنایا''۔

مکرم اور محترم ہونے کا یہ تصور انسان کو اللہ کے سوا دوسروں کے سامنے جھکنے سے روکتا ہے۔

(۳) عبدیت: یہ کہ انسان عبدیت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وما خلقت الجن والإنس الا ليعبدون" (۷)

ترجمہ: ''اور میں نے جن وانس کی تخلیق عبدیت کے لئے کی ہے''۔

عبدیت یا غلامی کا یہ تصور انسان کو اللہ تعالیٰ کے ہر ہر حکم کو ماننے پر مجبور کرتا ہے۔

(۴) اُخروی حساب: یہ کہ انسان کا اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی میں ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔ ارشاد ہوا:

"فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره ومن يعمل مثقال ذرة شراً يره" (۸)

ترجمہ: ''جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی تو اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا''۔

درج بالا چاروں امور کی تکمیل کے لئے عدل پر مبنی قانون کی ضرورت تھی۔ جسکا مکمل انتظام اسلام نے کیا ہے دین اسلام کی بنیاد حکمت اور عدل پر رکھی گئی ہے۔ اور تشریع وقانون سازی کا اصل مقصد بندگان خدا کے معاملات اور تعلقات کی تنظیم اس طور پر کرنا ہے کہ ان کے درمیان مزاحمت اور مقابلہ کے بجائے تعاون اور ہمدردانہ اشتراک عمل ہو۔ ایک دوسرے کے متعلق ان کے حقوق وفرائض عدل اور توازن کے ساتھ مقرر کردئے جائیں۔ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں چند ہدایات دی ہیں اور آخری نبی ﷺ نے ان ہدایات کو عملی زندگی میں نافذ کر کے ہمارے سامنے بطور نمونہ پیش کردیا ہے۔ اسلام کے یہ ہمہ گیر اور عملی اصول ہر زمانے اور ہر قسم کے حالات میں انسانی سوسائٹی کے لئے مفید اور قابل عمل ہیں۔ ان میں سے کچھ امور اٹل اور غیر تغیر پذیر ہیں، وہی امور ہر زمانے میں ایک جیسے ہوتے ہیں، جبکہ کچھ تغیر پذیر امور بھی ہیں، اُن میں زمانے اور حالات کی رعایت موجود ہے۔ کتاب وسنت کی نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا مقصد پوری انسانیت کی اصلاح ہے جو اس کے تمام تر انفرادی اور اجتماعی حالات کو شامل اور اس کے حال اور مستقبل پر حاوی ہے۔

دین اسلام میں عبادات، معاملات اور عقوبات غرض انسانی زندگی کے سارے ظاہری پہلوؤں سے متعلق احکام ملتے ہیں۔ گھریلو اور خانگی امور سے لے کر حکمرانی اور بیرونی ممالک سے تعلقات تک کے لیے اسلامی تعلیمات سے راہنمائی ملتی ہے۔ دین کی یہی جامعیت بیک وقت روح اور بدن دونوں کی ضرورتوں کی تکمیل کرتی ہے اور انسان کے مجموعی کردار میں توازن پیدا کرتی ہے۔ اگر روح اور بدن میں تفریق پیدا کردی جائے اور عبادت کے انصرام کو عام معاملات سے جدا کردیا جائے تو جس پہلو پر توجہ زیادہ ہوگی وہ ترقی تو کرے گا لیکن وہی ترقی ادھوری ہوگی۔ صرف روح سے واسطہ رکھیں تو انسان فرشتہ بن جائے گا۔ اگر صرف بدن پر توجہ ہو تو انسان درندہ ہو جائیگا، انسان نہیں رہے گا۔ انسان ہمہ جہتی اور سب پہلوؤں کی بیک وقت ترقی چاہتا ہے۔ جس کا اہتمام اسلام کے پاس ہے اسی اعتدال پسندی کے باعث دین اسلام مٹھی بھر انسانوں کے سوا انسانی معاشرہ کے تمام افراد کے لیے ممکن العمل رہتا ہے۔

اس دین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے تغیر پذیر اور غیر تغیر پذیر دونوں پہلوؤں کے درمیان بہترین توازن پایا جاتا ہے۔اس کے بعض احکام غیر متغیر ہیں جہاں شارع کا منشاء یہ ہے کہ وہ احکام ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ رہیں۔جبکہ بعض احکام ایسے ہیں جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں۔ ان احکام کی بدولت شریعت میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہر دور اور ہر جگہ کے لئے قابل عمل ہو سکیں۔تغیر پذیر اور غیر تغیر پذیر احکام کا دائرہ متعین کرنا ہمارے لئے ممکن ہے۔دین کے اصول وکلیات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی جبکہ فروعی اور جزئی احکام میں تبدیلی ممکن ہے۔دینی اقدار اور اخلاقیات میں تبدیلی اور دنیوی امور میں تبدیلی ممکن ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ مزاج شریعت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔فرد جب ہی صحیح مسلمان ہوگا جب وہ شریعت کا مزاج شناس ہوگا۔وہ اس بات کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرے کہ کونسا طریقہ اختیار کرنے سے اس کے مزاج میں بے اعتدالی پیدا ہو جائے گی۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

"**ليس في الدنيا مصلحة محضة ولا مفسدة محضة والمقصود للشارع ما غلب منها**".(۹)

ترجمہ:''دنیا میں کوئی مصلحت اور مضرت خالص نہیں اسی بنا پر شارع نے ان کے غلبہ کو مقصود بنایا ہے''۔

اسی حوالے سے اگر کہا جائے خیر فی نفسہ خیر نہیں اور شر فی نفسہ شر نہیں جب تک کہ شارع (قانون دینے والے) کے حکم کے تابع نہ ہو۔تو زیادہ مناسب ہوگا۔نماز روزہ حج وغیرہ کو عبادت یا خیر اسوقت کہا جائیگا جب یہ اللہ کی خوشنودی کے لیے ہوں۔کسی کو نقصان پہنچانا تو دور کی بات ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"**ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لو ليه سلطانا فلا يسرف في القتل إنه كان منصورا**". (۱۰)

ترجمہ:''اور جو کوئی ناحق قتل کیا جائیگا سو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اسے چاہیے کہ وہ قتل کے سلسلے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔بے شک وہ قابل طرف داری ہے''۔

دین کے اس توازن اور اعتدال کو ایک اور مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ قرآن کی رو سے خنزیر کھانا حرام ہے لیکن اضطرار کی حالت میں اس کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خنزیر کے نجس ہونے کی وجہ سے جب اسے حرام قرار دیا گیا تو اس میں حلت کس وجہ سے پیدا ہوئی؟ اسی طرح رمضان کے روزے فرض ہیں۔روزہ دانستہ کھانے پینے سے ٹوٹ جاتا ہے جس کی سزا شریعت کی طرف سے مقرر ہے لیکن بھول کر کھانے پینے والے کے بارے میں فرمایا کہ اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

یہ وہ امور ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا مجموعی طور پر مقصد ایک ہی ہے اور وہ یہ

کہ اللہ کے حکم کو ماننا ہے۔ اسکے حکم میں اعتدال بھی ہے اور رعایت بھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه أولئک الذین هداهم الله وأولئک هم أولوالألباب"(۱۱)

ترجمہ: میرے ان بندوں کو خوشخبری دیجیے کہ جو بات سنتے ہیں اور ان میں سے مستحسن صورت کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور یہی سمجھ دار لوگ ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا۔

"وأمر قومک یا خذو ابا حسنها" (۱۲)

ترجمہ: "اپنی قوم کو حکم دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے زیادہ بہتر حکم کا انتخاب کریں"۔

ان تعلیمات کا مجموعی تاثر یہ ابھرتا ہے کہ جو کوئی مستحسن طریقہ اختیار کرے گا وہ بہترین مسلمان ہوگا۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

"مارآه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن" (۱۳)

ترجمہ: "جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے":

"الکلمة الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدها فهو أحق بها" (۱۴)

ترجمہ: "دانائی کی بات مومن کی گمشدہ میراث ہے یہ جہاں سے ملے اسی کا حق ہے"۔

فرمان خداوندی ہے۔

"کنتم خیر أمة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر" (۱۵)

ترجمہ: "تم بہترین امت ہو، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے کے لئے مبعوث کئے گئے ہو"۔

ان ذمہ داریوں کے بعد یہ بھی کہا گیا۔

"مایرید الله لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهرکم ولیتم نعمته علیکم"(۱۶)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ وہ تمہیں پاک وصاف دیکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ تم پر اپنی رحمت تمام کردے"۔

ان تمام تعلیمات کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صحیح معنوں میں بندگی کا مطالبہ کرتا ہے اور اس بندگی کے لئے وہ دینی اور دنیاوی امور کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتا۔

شریعت اسلامی کی خصوصیات میں سے اہم ترین خصوصیت اعتدال اور توازن ہے یعنی شریعت نے

دو مقابل اور متضاد امور میں اس طرح سے توازن قائم کیا ہے کہ ایک پہلو کو نظر انداز کر کے دوسرے میں غلو Extermism یا افراط و تفریط کا راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ ہر شعبہ کو اس کا جائز حق دیا ہے اور کسی جانب زیادتی نہیں کی ہے مقابل یا متضاد اطراف کی مثال روحانیت اور مادیت، فرد اور اجتماعیت، حقیقت اور فرضیت، استقلال اور تغیر اور اس جیسی دیگر مثالیں ہیں۔ چنانچہ شریعت اسلامی میں ان امور کے متعلق توازن پایا جاتا ہے۔

توازن کا مطلب یہ ہے کہ دین کے ہر پہلو میں وسعت ہو۔ ہر چیز کو پورے انصاف سے اس کا حق دیا گیا ہو۔ ایسا میزان اور معیار اختیار کیا گیا ہو جس میں کسی قسم کی کمی و بیشی اور افراط و تفریط نہ ہو۔ اسی توازن کی طرف قرآن کریم نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

"والسماء رفعها ووضع الميزان ألا تطغوافى الميزان وأقيموا الوزن بالقسط ولا تخسر الميزان" (١٧)

ترجمہ: "اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو وضع کیا اور کہا کہ تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرنا اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول میں کمی مت کرنا"۔

اعتدال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"وكذلك جعلنا كم أمة وسطا لتكونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيدا"(١٨)

ترجمہ: "اور تمہیں میانہ رو امت بنایا تاکہ لوگوں پر گواہ رہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ رہیں"۔

میانہ روی کا مطلب اعتدال اور راہ راست اختیار کرنا ہے۔ یہ بہتری و خیر کی علامت، امن و سلامتی کا پیغام اور قوت و یکجہتی کی دلیل ہے۔ میانہ روی سے ہی کوئی اجتماعیت مضبوط اور قوی ہوتی ہے۔ اعتدال کا یہ وصف دین اسلام کے ہر شعبہ میں نمایاں ہے۔ عقائد ہوں یا عبادات اخلاق ہوں یا قانون، معاشرت ہو یا ریاست، الغرض دین کے تمام پہلوؤں میں توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔ اس کی نمایاں مثال مادیت اور روحانیت، فرد اور معاشرے کے درمیان توازن کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

معاشرے میں زیادہ نمایاں کسی فرد کی چال ڈھال ہی ہوسکتی ہے۔ انسان کو اعتدال کا درس دیتے ہوئے ارشاد ہوا۔

"واقصدفى مشيك واغضض من صوتك" (١٩)

ترجمہ: "اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز مدہم رکھ"۔

اس میانہ روی اور اعتدال کی مثال قرآن کریم نے خرچ کرنے والے امور میں اس طرح بیان

فرمائی ہے:

"ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط" (۲۰)

ترجمہ: ''نہ اپنے ہاتھوں کو گردن تک باندھے رکھو اور نہ بالکل کھلا چھوڑو''۔

ایک اور جگہ فرمایا:

"والذین اذا نفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما" (۲۱)

ترجمہ: اور یہ لوگ (اللہ کے بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی تنگی سے بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔

ان آیات میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کو بخل اور فضول خرچی سے بچاتے ہوئے میانہ روی اوران کا اعتدال کا حکم دیا ہے۔اوراعتدال سے ہٹ کر چلنا اللہ کے ہاں موجب ملامت ٹھہرایا ہے۔

معاشرے کے افراد کے ساتھ میل جول میں اعتدال لانے کا حکم اس طرح دیا گیا ہے:

"ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحا". (۲۲)

ترجمہ: ''اورلوگوں سے اپنے گال نہ پھلا۔اورزمین میں اکڑ کر نہ چل''۔

میانہ روی کو اپنا شعار بنانا، اپنی آواز نیچی رکھنا، اس لئے کہ یہی چیز لوگوں کو اپنی طرف راغب اوران کے دلوں کو اطاعت پرآمادہ کرتی ہے، اسی سے ایک متوازن سوسائٹی پروان چڑھانے میں مدد ملتی ہے۔

دوسری آیت میں میانہ روی، اعتدال اورانکساری اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔انسان کو غرور وتکبر سے منع اس لئے کیا گیا ہے کہ اعتدال ومیانہ روی کا عمل دلوں کو بھاتا اور سروں کو جھکاتا ہے۔اسلام ایک طرف تو اپنے ماننے والوں کو میانہ روی، عجز وانکساری، چال ڈھال میں اعتدال کا راستہ اپنانے اور غرور تکبر سے اجتناب کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف اس ہر کس وناکس کے سامنے جھکنے سے منع بھی کرتا ہے۔اعتدال میں بھی اعتدال کا حکم دیا جاتا ہے۔

ارشادربانی ہے:

"ولاتطع کل حلاف مهین" (۲۳)

ترجمہ: ''اورکسی قسم کھانے والے ذلیل کا کہنا مان''۔

مقصود یہ ہے کہ حق ہر حالت میں پیش نظر رہے، یہی چیز انسان کو گمراہی سے بچاتی ہے اور سچائی سے ہمکنار کرتی ہے۔رسول اکرم ﷺ ہر معاملے میں اعتدال اور توازن کو ترجیح دیتے اور اپنے اصحاب کو اسی کی

تاکید فرماتے رہتے تھے۔

ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ میں نماز نہ پڑھ سکوں گا کیونکہ فلاں شخص ہمیں طویل نمازیں پڑھایا کرتا ہے۔ابومسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے نصیحت کرنے میں اس دن سے زیادہ کبھی نبی ﷺ کو غصے میں نہیں دیکھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے ہو (دیکھو) جوکوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہیے کہ ہر رکن کے ادا کرنے میں تخفیف کرے، کیونکہ مقتدیوں میں مریض اور کمزور بھی ہوتے ہیں اور ضرورت مند بھی بعض اوقات لوگ ذوق عبادت میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔اسلام اس میں بھی اعتدال کی راہ اپنانے کا حکم دیتا ہے بعض صحابہ کرام نے تقویٰ کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کے لئے روزانہ روزہ رکھنے، رات بھر نماز اور زندگی بھر شادی نہ کرنے کا تہیہ کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس سے روک کر اپنے اسوہ پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی (۲۴)

اعتدال کا عالم یہ ہے کہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے جب جی اکتا جائے تو تلاوت چھوڑنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

حضرت جندب بن عبداللہ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قرآن پڑھتے رہا کرو جب تک تمہارے دل چاہیں اور جب دل برداشتہ ہوجاؤ تو تلاوت چھوڑ دیا کرو (۲۵)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ''جب بھی رسول ﷺ کو دو باتوں کے درمیان اختیار دیا گیا۔آپ نے ہمیشہ ان دونوں میں سے آسان بات کو اختیار کیا بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہو''۔

(۲۶) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''یسروا ولا تعسروا .

ترجمہ: آسانی پیدا کرو اور مشکل مت پیدا کرو۔

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں'' آنحضرت ﷺ روزانہ وعظ و نصیحت نہیں فرماتے تھے اس لیے کہ کہیں ہمیں گراں نہ گزرے'' (۲۷)

حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے فرمایا:

''لا تشددوا علی أنفسکم فیشدد علیکم فان قوماً شددوا علی أنفسھم فشدداللہ علیھم فتلک بقایا ھم فی الصوامع والدیار رھبانیة'' (۲۸)

ترجمہ: کثرت عبادت سے اپنے آپ پر مشقت مت ڈالو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دیں گے اسی شوق میں

پہلے زمانے کے لوگ مبتلا تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور انکی اولاد آج گرجوں اور بت خانوں میں راہب بنی بیٹھی ہے''۔ (سنن ابوداؤد)

ان تمام فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت صرف نماز، روزہ حج اور زکوۃ کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ادائیگی کا نام ہی عبادت ہے۔ اسی کو دراصل عبدیت یا بندگی کہتے ہیں۔

جن وانس کی تخلیق کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

" وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون" (۲۹)

ترجمہ: ''ہم نے جن اور انس کی تخلیق عبدیت کے لیے کی ہے''۔

یہاں یہ بات واضح کرنی ضروری ہے کہ "لیعبدون" کا ترجمہ عمومی طور پر ''عبادت'' کا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عبادت، عبدیت کی تابع ہے۔ عبدیت، عبادت کے مقابلے میں اولیت کی حامل ہے۔ اللہ کی غلامی یا عبدیت ہوگی تو اس کے نتیجے میں عبادت خود بخود ہوگی۔ اور عبادت اگر بغیر عبدیت کے ہو تو کسی کام کی نہیں۔ اسلام تو اپنے ماننے والوں سے اسی عبدیت یا غلامی کا مطالبہ کرتا ہے، تبھی تو اس کے ہر ہر عمل کو عبادت قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو۔ قرآن کی رو سے خدا کی حکومیت اور خدا کی عبادت سے مراد ایک ہی ہے یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت یا دوسرے الفاظ میں عبدیت۔

ارشاد خداوندی ہے:

"إن الحكم إلا لله أمر ألا تعبدوا إلا إياه". (۳۰)

ترجمہ: ''حکم صرف اللہ ہی کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبدیت مت اختیار کرو''۔

درج بالا آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر عبادت سے مراد پرستش لی جائے تو آیت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ یعنی حکومت صرف اللہ کے لئے ہے تم اس کے سوا کسی کی پرستش مت کرو۔ خدا کی پرستش تو ہر حکومت میں کی جا سکتی ہے۔ پرستش کے لئے خدا کی حکومت کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ خدا کی پرستش تو لوگ ہندوستان میں بھی کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن جس عبادت کی بات کرتا ہے وہ دراصل عبدیت ہی ہے۔ یہ بات ذیل کی آیت سے بآسانی ہوتی ہے ارشاد ربانی ہے:

"و لا يشرك في حكمه" (۳۱)

ترجمہ: ''اور خدا اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔

عبدیت کے مفہوم کا حضرت معاذؓ والی حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے رسول ﷺ نے حضرت معاذؓ کو

یمن بھیجتے وقت فرمایا:

"إنک تقدم علی قوم أهل الکتب فلیکن أوّل ماتدعوهم إلیه عبادةالله فإذا عرفواالله فأخبرهم أن الله قد فرض علیهم خمس صلوات في یو مهم ولیلتهم ، فإذا فعلوا الصلوة، فأخبرهم أن الله قد فرض علیهم زکوة توخذمن أموالهم وترد علی فقراء هم (۳۲)

"تم اہل کتاب کی طرف جارہے ہو، لہذا پہلی چیز جس کی طرف دعوت دینی ہے وہ اللہ کی عبدیت (بندگی) ہے، جب وہ اسے سمجھ لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کیں ہیں۔ جب وہ یہ کرنے لگیں تو پھر یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوۃ بھی فرض کی ہے۔ جو ان کی ذی حیثیت لوگوں کے مال سے لے کر ان ہی کے محتاجوں پر لوٹادی جائیگی"۔

ان آیات اور احادیث کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی تخلیق عبدیت کے لئے کی گئی ہے۔ اور عبدیت یا غلامی میں انسان کا اپنا اختیار ختم ہوجاتا ہے۔ جب وہ اپنے آقا کے ہر حکم کو بجالائے گا تو تب غلام ہوگا۔ عبدیت کے اسی مفہوم کا سامنے رکھتے ہوئے انسان ہر عمل میں اللہ کی خوشنودی کا خیال رکھے گا۔ بصورت دیگر غلامی کے دائرے سے باہر ہوگا۔ اسی صورت میں اس کی نماز بھی عبادت ہے اور ہر وہ کام بھی جو بندگی کے معیار پر پورا اترے۔ بندگی کے معیار پر اترنے والا ہر عمل معروف ہوگا اور ہر وہ عمل جو اس کے برعکس ہوگا منکر کے دائرے میں آئے گا۔

شریعت اسلامیہ انسانی فطرف اور ضروریات کا پوری طرح خیال رکھتی ہے، البتہ مادی ضروریات کی تکمیل اس طرح کرتی ہے کہ اس سے دینی اور اخلاقی اقدار متاثر نہ ہوں۔ یہ کم از کم مطالبات ہیں، معاملہ یہاں رکتا نہیں بلکہ ان اقدار کے حصول کے لئے بتدریج معاشرے کو ارفع مقاصد کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ میں بیک وقت حقیقت پسندی اور مثالیت دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ شریعت لوگوں کو حالات کے سپرد نہیں کرتی۔ بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے تفصیلی احکام دیتی ہے۔

شریعت اسلامیہ نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام، شادی کو جائز اور زنا کو حرام، پاکیزہ کھانے پینے کو حلال اور نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دے کر حقیقت پسندی اور مثالیت کو جمع کردیا۔ اسی طرح شریعت میں دینی اور اخلاقی اقدار کے تحفظ کے ساتھ بشری ضروریات کی بھی تکمیل کی جاتی ہے۔ اور ان ضروریات کو پورا کرنے میں محرمات رذائل اور گندی چیزوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ لیکن شریعت صرف اس پر اکتفاء نہیں کرتی بلکہ وہ اسلامی معاشرے کو ایک کامل ترین شکل میں ڈھالنے کے لئے فرد اور معاشرے کی مثبت اقدار کو پروان چڑھاتی ہے۔ یہ اجتماعی تبدیلی مقاصد شریعت کے حصول کے لئے افراد اور جماعتوں کو طاقت فراہم کرتی ہے۔ اسی سے

معلوم ہو جاتا ہے کہ شریعت کا تاریخی ارتقاء میں ایک مثبت اور نمایاں کردار ہے جس سے اس کا مستقبل روشن اور اس کے ارفع واعلیٰ اہداف ہر وقت نگاہ کے سامنے رہتے ہیں۔یعنی انسان مادی اور روحانی لحاظ سے دنیا کی تعمیر اور ترقی اور اس کی آبادی میں اللہ کا نائب ہے اور اس نے یہ بار امانت اپنے کندھوں پر اٹھار کھا ہے۔عبادت ہر مذہب کا جزو اعظم ہے،دوسرے مذاہب میں مذہبی احکام بجائے خود بہت سخت ہیں،ان میں نہ تو لچک ہے نہ نرمی اور نہ سہولت ۔لیکن اسلام انسان کی فطری کمزوری سے واقف ہے،اس لئے اس قسم کے حالات میں انسان کی مجبوری اور کوتاہی کو اکثر نظر انداز کرتا ہے،حضرت ابو ہریرہؓ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

دین بہت آسان ہے اور احکام اسلام ہر گز سخت نہیں اور جو کوئی دین کی نرمی ترک کرتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے۔اس لئے تم لوگ میانہ روی اختیار کرو اور قریب بہ اعتدال رہو۔اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات رہے عبادت کرو۔(۳۳)

اس تمام توازن، لچک اور اعتدال کا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق زندگی گزارے۔اور اس کے پورے عمل میں کہیں بھی افراط وتفریط نہ ہو۔لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہ اعتدال پسندی شریعت سے الگ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ شریعت اسلامی کا جزو لاینفک ہے۔اس میں نہ کمی کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی کی۔اس اعتدال کا معیار بھی خود رسول ﷺ کی ذات اقدس ہے۔

ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین" (۳۴)

ترجمہ:"اس علم کے حامل ہر نسل میں عادل لوگ ہوں گے۔وہ اس دین کو غلو پسندوں کی تحریف،گمراہوں کی غلط نسبت اور جہلاء کی تاویلات سے محفوظ رکھیں گے"۔

اسلام اعتدال کا راستہ بتاتا ہے اور عدل پر زور بھی دیتا ہے،ارشاد ربانی ہے:

"ولایجرمنکم شنآن قوم علی ألا تعدلوا إعدلوا هو أقرب للتقوی" (۳۵)

ترجمہ: "اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل سے ہٹ کر کوئی کام کر،عدل کرو یہ تقوی سے قریب تر ہے"۔

عدل کے مطالبے کے ساتھ جس اصل مقصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ دراصل خدا خوفی اور اللہ

کی خوشنودی ہی ہے۔عدل کے معنی لغت میں اس طرح سے ہیں:" **وضع الشی ء فی محله**" کسی چیز کا اس کی اصل جگہ میں رکھنا''۔جبکہ اعتدال کا لفظ عدل ہی سے نکلا ہے۔اسلام نے جس عدل کا حکم دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ انصاف کرو اور اپنے ساتھ بھی اور ان نعمتوں کے ساتھ بھی جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں۔یعنی ہر کام اس ڈھنگ سے کیا جائے جو شارع کا مقصد ہے۔جبکہ شارع عدل سے ہٹ کر کوئی مطالبہ کرتا ہی نہیں دین اسلام محض مادی اور ظاہری اعتبار سے قانون عدل نہیں بلکہ زندگی کے بے شمار مضمرات بھی اس کے پیش نظر ہیں۔ان مضمرات کا فیصلہ انسان کا اپنا ضمیر ہی کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

"والله يعلم المفسدمن المصلح" (٣٦)

ترجمہ: ''اللہ فساد کرنے اور اصلاح کرنے والے ہر ایک کو جانتا ہے''۔

اعتدال کا اس سے بڑھکر اور کیا معیار ہوسکتا ہے جس کی دعا نہ جانتے ہوئے ہم روزانہ کرتے ہیں۔

کیا یہی معیار ہمارے لئے کافی نہیں ہوسکتا جو سورۃ فاتحہ میں ہے،دعا اسطرح سے ہے۔

"اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غيرالمغضوب عليهم ولاالضالين". (٣٧)

ترجمہ:''اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ۔جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ان کا نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ ہی بھٹکے ہوئے لوگوں کا''۔

اسی طرح ارشاد ہوا۔

"لا إكراه فى الدين" (٣٨)

ترجمہ:یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

دین اسلام کے اعتدال کا اندازہ درج بالا حکم خداوندی سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ دوسروں کے اوپر زبردستی اپنے نظریات مسلط کرنے سے منع کرتا ہے۔اگرچہ اسلامی نظام حیات کی خوبیوں اور حقانیت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔اس کے مقابلے میں جدید دور کی مغربی اقوام جمہوریت یا اپنی تہذیب کو کس طرح دوسری اقوام پر مسلط کرتے ہیں۔جمہوریت ہی کو لیجئے اس کی تمام خوبیوں کے باوجود اس کا تاریک پہلو بھی ہے۔جمہورت میں عوام کی حکمرانی ہوتی ہے جبکہ مشہور مقولہ ہے:''العوام کالانعام'' کہ عوام تو چوپایوں کی طرح ہوتے ہیں۔بھلا یہ کونسی عقلمندی ہے کہ کہ عقلمند اقلیت پر نا سمجھ اکثریت مسلط کردی جائے۔اس سے تو افلاطون کے خیالی ریاست والا تصور زیادہ بہتر دکھائی دیتا ہے۔اسمیں کم از کم عقلمندوں کی حکمرانی تو

ہوگی۔ہمیں بحیثیت مجموعی اس بات کا احساس ہے کہ موجودہ دور کا عام مسلمان بھی اعتدال سے ہٹ کر چل رہاہے اور یہی اس کے زوال کا سبب بھی ہے۔لیکن مغربی اقوام کا مجموعی رویہ بھی تو بےاعتدالی کا شکار نظر آتا ہے۔

لیکن اس مسئلے کا حل ہرگز یہ نہیں کہ ہم دوسری اقوام کی بےاعتدالیوں کو اپنا لیں۔اس کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلام کے ماننے والے صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی عبدیت اختیار کریں۔

ارشادر بانی ہے:

"أدخلوا فی السلم کافة" (۳۹)

ترجمہ:یعنی اللہ کے دین (اسلام) میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

اللہ کے دین میں مکمل طور پر داخل ہو جانے کے بعد ہر فرد کو یہ احساس ہوگا کہ چند مخصوص عبادات سے عبدیت کے تقاضے پورے نہیں ہوتے بلکہ وہ ہر عمل میں اللہ کے حکم کا پابند ہے۔اس طرح عبدیت کے تقاضوں کو سمجھنے والوں میں نہ تو قتل و غارتگری ہوگی اور نہ ہی ظلم کا بازار گرم ہوگا۔ بلکہ قرآن کریم نے ''عباد الرحمٰن'' کے اعمال کا جو نقشہ کھینچا ہے پورا معاشرہ ان اعمال سے مزین ہوگا۔نتیجتاً ہر فرد اعتدال پسند اور متوازن ہوگا اور ایک اچھا مسلمان بھی۔یہی اسلام کا مطلوب بھی ہے اور مقصود بھی۔

وما علینا الا البلاغ

حوالہ جات

۱۔ سورۃ المائدہ ۵:۳

۲۔ سورۃ آل عمران ۳:۱۹

۳۔ سورۃ آل عمران ۳:۸۵

۴۔ سورۃ النساء ۴:۱۴

۵۔ سورۃ البقرہ ۲:۳۰

۶۔ سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۷۰

۷۔ سورۃ الذریات ۵۱:۵۶

۸۔ سورۃ الزلزال ۹۹:۷۔۸

۹۔ الشاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعہ، مطبع الشرق الادانی بالموسکی ت۔ن۔ ج ۲، ص ۲۵

۱۰۔ الاسراء ۱۷:۳۳

۱۱۔ الزمر ۳۹:۱۸

۱۲۔ الاعراف ۷:۱۴۵

۱۳۔ مسند امام احمد بن حنبل، کتاب مسند المکثرین من الصحابہ۔ حدیث نمبر ۳۴۱۸۔ CD الموسوعۃ الحدیث الشریف الکتبالشتہ

۱۴۔ (۱) ترمذی کتاب العلم عن رسول اللہ باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ حدیث نمبر ۲۶۱۱
(۲) ابن ماجہ۔ کتاب الزھد باب الحکمۃ حدیث نمبر ۴۱۵۹

۱۵۔ آل عمران ۳:۱۱۰

۱۶۔ المائدہ ۵:۶

۱۷۔ الرحمٰن ۵۵:۷۔۹

۱۸۔ البقرہ ۲:۱۴۳

۱۹۔ سورۃ لقمان ۳۱:۱۹

۲۰۔ سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۲۹

۲۱۔ سورۃ الفرقان ۲۵:۶۷

۲۲۔ سورۃ لقمان ۳۱:۱۸

۲۳۔ سورۃ القلم ۶۸:۱۰

۲۴۔ بخاری۔ کتاب العلم۔ باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم اذا رأی ما یکرہ۔ حدیث نمبر ۹۰

۲۵۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن باب اقرء والقرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم حدیث نمبر ۵۰۶۱ صفحہ نمبر ۹۰۶

۲۶۔ بخاری قصہ ابی زر وقصہ ابی زمزم باب: قول النبی یسروا ولاتعسروا حدیث نمبر ۶۱۲۶

۲۷۔ بخاری کتاب العلم۔ باب ما کان النبی یتخولھم بالموعظۃ والعلم کی لا ینفروا۔ حدیث نمبر ۶۶

۲۸۔ سنن ابوداؤد کتاب الأدب، باب فی الحسد حدیث نمبر ۴۹۰۴

۲۹۔ سورۃ الذاریات ۵۱:۵۶

۳۰۔ سورۃ یوسف ۱۲:۴۰

۳۱۔ سورۃ الکھف ۱۸:۲۶

۳۲۔ (۱) بخاری۔ کتاب الزکاۃ۔ باب لاتوخذ کرائم أموال الناس فی الصدقۃ۔ حدیث نمبر ۱۴۵۸

(۲) مسلم کتاب الایمان۔ باب الدعاء الی شھادتین وشرائع الاسلام حدیث نمبر ۲۸

۳۳۔ بخاری کتاب الایمان باب الدین یسر۔ حدیث نمبر ۳۸

۳۴۔ خطیب تبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکواۃ المصابیح، تحقیق وتعلیق: سعید محمد اللحام۔ حدیث نمبر ۲۴۸، ص ۱۱۵ ج:۱، دار الفکر بیروت لبنان، طبع اول ۱۴۱۱/۱۹۹۱ء

۳۵۔ المائدہ ۵:۸

۳۶۔ البقرہ ۲:۲۲۰

۳۷۔ الفاتحہ ۱:۶۔۷

۳۸۔ البقرہ ۲:۲۵۶

۳۹۔ البقرہ ۲:۲۰۸